© rasailojaraid.com

اور طہارت کے دائرے میں رہتے ہوئے تجربات کرنے ہوں گے۔ اگر خلوص نیت کے ساتھ ایک دقت اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اجتہاد کیا جائے، اور اس میں بالفرض غلطی بھی ہو جائے تو حدیث نبویؐ کی روشنی میں کسی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوگا بلکہ ایک اجر ہی مل جائے گا۔ اور اگر یہ اجتہاد، جس کی پوری امید ہے، درست ہو، تو ان شاء اللہ دہرا اجر ملے گا۔

مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ اسلامی نظام حکومت کے نفاذ کے بعد نہ تو ٹی وی بند ہوگا، نہ ریڈیو بلکہ دونوں مؤثر ذرائع کو اخلاقی، تعمیری اور معلوماتی پروگراموں کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ ہمارے علاوہ جن ممالک میں اسلامی نظام لانے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً سوڈان اور ایران، کیا وہاں ٹی وی اور ریڈیو بند کر دیے گئے؟ یہ خیال بھی غلط ہے کہ ٹی وی پر کوئی مرد نظر نہیں آئے گا اور صرف انسانی سائے کام کرتے نظر آیا کریں گے۔ کیا حضور نبی کریمؐ نے سیدہ عائشہؓ کو ایک موقع پر اپنے شانہ مبارک پر سر رکھ کر حبشی کرتب کرنے والوں کے کرتب دیکھنے سے منع فرمایا تھا؟ بلاشبہ اسلام غض بصر کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو دیتا ہے، لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواتین کسی بھی فرد کی طرف بغور نہیں دیکھ سکتیں؟ اگر یہ بات درست ہے تو کوئی خاتون بھی عقلاً کسی مرد کے بارے میں قانونی شہادت کی شرط پوری نہیں کر سکتی۔ ظاہر ہے شہادت کی بنیاد یقینی طور پر مشاہدے پر مبنی ہے۔ اسلام ان انتہاؤں کے درمیان ہے جن میں ہم پھنس کر رہ گئے ہیں۔ کسی مرد کو دیکھنے کے دوران نگاہوں کا اس کے بالوں یا چہرے میں الجھ کر رہ جانا اور اسے اپنا منظور نظر بنا لینا، اس کی تصویر کو اپنے کمرے میں لگانا، اس کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھنا، ان سب خلاف شرع افعال سے مکمل طور پر اجتناب کرتے ہوئے بھی ایک صالح، فطری مگر اخلاقی تصور تفریح میڈیا کے ذریعے سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت نظری گفتگوؤں کی نہیں، عملاً ایسے پروگرام پیش کرنے کی ہے جن کو دیکھنے کے بعد ہمارے انتہائی محتاط فقہا بھی اپنی رائے میں نرمی پیدا کرنے پر آمادہ ہو جائیں (ڈاکٹر انیس احمد)۔

دعوت دین اور رکنیت جماعت

س: میری ایک ملنے والی جماعت اسلامی کی کارکن ہیں۔ انھیں امیدوار رکنیت کا فارم بھی دے دیا گیا ہے اور ان کی ساتھی خواتین بار بار ان سے پوچھتی رہتی ہیں کہ وہ کب امیدوار بنیں گی؟ مگر انھیں فارم پُر کرنے میں کچھ الجھن ہے۔ وہ جماعت کے پروگراموں میں شرکت کرتی ہیں، ماہوار رپورٹ بھی دیتی ہیں۔ اعانتیں جمع کرنا، تنظیمی پروگرام کی ذمہ داری اٹھانا، مہمات میں اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لینا [illegible] حصہ لیتی ہیں۔ ان کے شوہر جماعت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متفق ہیں لیکن اگر ان کے علم میں آجائے کہ دن بھر کی تربیت گاہ ہے، جلسہ ہے، یا کوئی مظاہرہ ہے تو وہ سختی سے منع کر دیتے ہیں کہ ان میں شرکت کی ضرورت نہیں۔ درس قرآن، دعوت دین اور ملاقاتوں کی حد تک تو خواتین کو اجازت ہے مگر فرنٹ پر کام کرنا ضروری نہیں (مذہب اور سیاست الگ والی بات نہیں ہے)۔ اسی طرح کئی دفعہ اس بات پر بھی منع کر چکے ہیں کہ امیدوار یا رکن بننے کی بھی ضرورت نہیں۔

وہ گوشوارہ رکنیت پُر کرنا چاہتی ہیں مگر انھیں اس کی تمام شقوں سے اتفاق نہیں، خاص طور پر آخری شق سے۔ ان کا موقف ہے کہ اس فارم کی شرائط پر چونکہ عمل درآمد مشکل ہے اس لیے یہ دو رخی کی کیفیت اور دو رنگی ہے جو غلط ہے۔ دوسرے جماعت کے کچھ امیدوار اور ارکان جن سے ان کا تعلق رہا ہے، نہ تو وہ کارکن کی طرح جماعت سے مخلص ہیں، نہ ان کا اخلاق اس معیار کا ہے اور نہ وہ اس سرگرمی اور دل جمعی سے کام کرتے ہیں جس طرح ایک کارکن کام کرتا ہے۔ یہ بات بھی باعث عدم اطمینان ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ کسی کے کام سے متفق ہونا، بھرپور حمایت کرنا، تحریکی کاموں میں آگے بڑھ کر عملاً حصہ لینا، اپنی حد تک سمع و اطاعت کا اہتمام کرنا، کیا یہ کسی جماعت سے مخلص ہونا نہیں؟ کیا فارم بھرے بغیر ہم نیکی کا ساتھ نہیں دے سکتے؟ کیا فارم اخلاص کی کسوٹی ہے کہ جو اسے پُر نہ کرے وہ جماعت سے مخلص نہیں؟ ان کے لیے الجھن یہ بھی ہے کہ وہ جماعت کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہیں لیکن دوسری طرف وہ شوہر کے دباؤ میں بھی ہیں۔ کیا وہ یہ کام شوہر سے چھپ کر کر سکتی ہیں؟ کیا رکنیت کا فارم پُر کیے بغیر دعوت دین کا کام نہیں ہو سکتا؟

ج: مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہے کہ آپ نے ایک عملی مسئلے کا ذکر اپنے خط میں کیا ہے۔ وضاحت کی غرض سے جواب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت دین کے سلسلے میں ایک بیوی یا بیٹی کے لیے حدود اطاعت سے ہے۔ قرآن کریم اور سنت مطہرہ نے اس سلسلے میں واضح اصول یہ دیا ہے کہ اولاً ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کا سمجھنا اور اسے آگے پہنچانا فرض ہے۔ امت مسلمہ کا مقصد قرآن میں یہ بتایا گیا ہے کہ "اب دنیا میں وہ بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (اٰل عمرٰن ۳:۱۱۰)۔ ساتھ ہی ہمیں یہ اصول بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جواب دہی کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ اور حدیث کی روشنی میں ایک خاتون اپنے گھر اور اپنی اولاد پر اتنی ہی مسئولیت رکھتی ہے جتنی ایک مرد پورے خاندان پر۔ ظاہر ہے یہ مسئولیت اس کے دائرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کار اور دیگر وظائف کے حوالے سے ہی ہو گی، مطلق نہیں ہو گی۔ اس لیے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد، ایک خاتون کو اپنے وظائف زوجگی اور فریضہ اقامت دین میں توازن برقرار رکھتے ہوئے یہ دعوتی کام کرنا ہو گا اور ترجیحات کا تعین کرنا ہو گا۔ ہر صورت حال میں غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا ہو گا کہ مقصد دعوت کہاں زیادہ صحیح طور پر حاصل ہو رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دعوت دین غیر معمولی طور پر ایک اجتہادی عمل ہے۔ اصول دین اور اصول فقہ کو صحیح طور پر سمجھے بغیر دعوتی کام یا تو ایک میکانکی عمل بن جاتا ہے یا بعض اوقات گھریلو زندگی میں کھچاؤ اور قانونی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم نے شوہر کو اس کے گھر میں سربراہ ہونے کے سبب ایک درجہ کی فضیلت دی ہے۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہے کہ ایک کالج یا یونی ورسٹی میں ۱۵ افراد گریڈ ۲۰ کے پروفیسر ہوں، اور ان میں سے ایک کو ادارے کا سربراہ بنا دیا جائے۔ ظاہر ہے اس طرح وہ ۱۹ پروفیسروں سے ایک درجہ افضل ہو جائے گا، لیکن اپنے رفقا اساتذہ کی رائے، مشورہ، تجربہ، ہر چیز سے استفادہ کر کے ہی کوئی فیصلہ کرے گا اور ایک آمر کی طرح تکبر کا شکار نہیں ہو گا۔ جب تک وہ سربراہ ہے، بقیہ اساتذہ اس کی ہر حق بات کی اطاعت کریں گے اور ہر غلط بات پر نصیحت کریں گے۔ اور اگر بات قانون اور عقل کے بالکل منافی ہو تو اطاعت بھی نہیں کریں گے کیونکہ شریعت کا اصول ہے: لا طاعة المخلوق فی معصية الخالق۔ اس لیے دعوتی مقاصد کے حصول کی اہمیت کو ایمان کی حد تک اہم ماننے کے باوجود، ایک بیوی یا بیٹی کو عموماً اپنے شوہر یا باپ کی جائز ہدایت کو اہمیت دینا ہو گی اور اس وقت تک دینا ہو گی جب تک اس کی ہدایت دین کے واضح اصولوں اور تعلیمات کے منافی نہ ہو۔

حضور نبی کریمؐ نے اسی بنا پر حضرت صفوان ابن معطلؓ کی اہلیہ محترمہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ نماز میں دو دو سورتیں پڑھنے کے بجائے ایک ہی سورت پڑھ لیں، اور نفل روزہ رکھنے میں شوہر کی ضرورت کا خیال رکھیں (ابوداؤد)۔ گویا قانونی رسہ کشی کی جگہ افہام و تفہیم اور محبت و نرمی اور دل کو ہاتھ میں لے لینے کی حکمت ہی حکمت دعوت ہے۔ جب بھی یہ شکل اختیار کی جائے گی شوہر یا باپ دعوت دین میں کبھی رکاوٹ نہیں بنے گا، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ اس کی بیوی یا بیٹی اپنے وقت، صلاحیت اور صحت کا صحیح استعمال کر رہی ہے اور اس تعاون پر وہ خود بھی اجر عظیم کا مستحق ہو جائے گا کہ اس نے اپنی بیوی کو اپنی ضرورت نظرانداز کر کے دعوت دین جیسی عبادت کرنے سے نہیں روکا۔ ہاں اگر شوہر یا باپ کسی معصیت کا حکم دے تو اس میں اطاعت و تعاون نہیں: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

دوسرا اہم پہلو آپ کے سوال میں یہ ہے کہ اگر ایک تحریکی کارکن وہ تمام ذمہ داریاں پوری کر رہی ہے جو ایک امیدوار رکنیت یا رکن سے متوقع ہوتی ہیں، لیکن دستوری طور پر باقاعدہ فارم بھر کر اور باقاعدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد اٹھا کر رکن بننے سے گریز کرے، تو دین میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ دیکھیے، دین شہادت حق کا نام ہے۔ یہ شہادت قولی بھی ہے اور عملی بھی۔ بغیر کسی معقول سبب کے اس میں تاخیر کرنا اپنے آپ کو اجتماعی برکات سے محروم رکھنا ہے۔ سورہ آل عمرٰن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے ایک جماعت (امت) ایسی ضرور ہونی چاہیے جو امربالمعروف کا کام کرے اور برائی سے روکے (۳:۱۰۴)۔ ایسے ہی اعتصام باللہ کے ذریعے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ یک جا ہو کر منظم طور پر ایک نظم کے تحت ہی دین کے قیام کی جدوجہد کی جائے گی (آل عمرٰن ۳:۱۰۳)۔ پھر احادیث نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ جب تین افراد سفر کے لیے چلیں تو ان کو چاہیے کہ اپنا نظام قائم کر لیں اور اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیں (ابوداؤد عن ابوسعید خدریؓ)۔ یہی روایت حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ سے بھی ملتی ہے۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا: "جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکریوں کا بہ آسانی شکار کر لیتا ہے، اسی طرح شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، اگر جماعت بن کر نہ رہیں (فعلیکم بالجماعة والعامة) تو یہ ان کو الگ الگ نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے"۔ (مسند امام احمد، مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا "جو شخص جنت کے وسط میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہو، اسے جماعت سے چمٹے رہنا چاہیے اس لیے کہ شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ دو ہو جائیں تو وہ دور ہو جاتا ہے"۔ ان واضح اور مطلق ارشادات داعی اعظمؐ کی موجودگی میں کسی فرد کا ایک مناسب اسلامی تحریک کی موجودگی کے باوجود بغیر کسی عذر کے اس میں باقاعدہ شامل نہ ہونا لازمی طور پر خطرات کا باعث ہوگا۔ اس لیے اسلامی تحریکیں ہم خیال معاشرے کے ہر طبقے کے افراد کو شمولیت کی دعوت دیتی ہیں۔ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو دلی خواہش، نیت اور کوشش کے باوجود کسی دینی حکمت یا عذر کے سبب شامل نہ ہو سکتے ہوں۔

دینی حکمت میں، میری ناقص رائے میں، وہ شکل بھی شامل ہے جس کا ذکر آپ نے خط میں کیا ہے۔ اگر ایک خاتون ہر لحاظ سے تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں لیکن سربراہ خاندان اپنے اس منصب کی بنا پر اسے باضابطہ تحریک میں شمولیت سے روکتا ہے تو اس وقت تک صبر اور انتظار کریں جب تک وہ کشادہ دلی کے ساتھ ایسا کرنے کی اجازت نہ دے دے۔ اس سلسلے میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بہن کے شوہر کو توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اپنی اہلیہ کو اجازت دے کر خود اعلیٰ اجر کے حق دار بن سکیں۔ یہ دعا آپ کو اور ہر تحریکی کارکن کو ایسے مواقع پر ضرور کرنی چاہیے۔ بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ دعاؤں کو قبولیت بخشتے ہیں۔

تیسرا اہم پہلو جس کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے وہ اصولی بھی ہے اور عملی بھی۔ اصولی طور پر کسی بھی جماعت بلکہ الجماعت میں بھی یہ کہنا کہ اس کا ہر کارکن، یا رکن، یا ذمہ دار مثالی شخصیت کا حامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا، قرآن و سنت کی بصیرت کی روشنی میں درست نہیں۔ بلاشبہ اسلام اور اسلامی تحریک کی جدوجہد کا مقصد ایک مثالی اخلاقی اور اصلاحی معاشرہ اور حکومت کا قیام ہے، لیکن انسانی معاشرے میں انسانی کمزوریوں کا وجود فطری ہے۔ البتہ اس بنا پر نہ تو کمزوری کا جواز تلاش کیا جا سکتا ہے نہ معاف کیا جا سکتا ہے، بلکہ نیکی اور خیر کی تعلیم اور فروغ کے ذریعے صرف کم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے ۲۳ سالہ دورِ نزول میں جن سزاؤں اور اہل ایمان کی جن اقسام کو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ بہترین مثالی معاشرے اور ریاست میں بھی صالح افراد بعض اوقات شیطان کے وساوس میں آسکتے ہیں۔ ان تین صحابہؓ کا واقعہ جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے گو وہ صداقت و ایمان کے اعلیٰ مقام پر تھے (التوبہ ۹: ۱۱۷-۱۱۸)۔ سیدہ عائشہؓ پر بے بنیاد جھوٹ باندھنے کا ذکر قرآن کریم نے خود کیا ہے (النور ۲۴: ۱۱-۲۱)۔ میں مزید واقعات طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کر رہا لیکن اس طرف اشارے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی معاشرے میں ۹۹.۹۹۹ فی صد بھلائی ہے اور ۰۰۱. فی صد مواقع پر شیطان کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ معاشرہ اور وہ افراد فائزون میں ہوں گے یا خاسرون میں۔ اب چند لمحات کے لیے غور کیجیے، اپنے تمام تر دعووں کے باوجود کیا تحریکات اسلامی نے اپنے ہر کارکن اور رکن کو تربیت و آزمائش کی اس کٹھن وادی سے گزارا ہے جس سے صحابہ کرامؓ، جن میں سے ہر ایک ہمارے لیے دمکتا ستارہ ہے اور اسوۂ حسنہؐ کی مثال ہے، گزرے تھے؟ کیا تحریکات اسلامی کا نظامِ تربیت اس نظامِ تربیت کے معیار تک پہنچ گیا ہے جو داعی اعظمؐ نے ہدایت ربانی اور فراست نبویؐ سے خود مرتب فرمایا تھا؟ اس لیے اگر کسی رکن یا ذمہ دار سے کسی کمزوری کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اسے نہ تو عیب جوئی کا ذریعہ اور موضوع بنائیں، نہ اس بنا پر ہمت ہار بیٹھیں کہ جب ارکان بھی کارکنوں سے پیچھے ہیں تو جماعت میں شمولیت کا کیا فائدہ؟ بالفرض آپ کا مشاہدہ درست بھی ہے تو کیا الدین نصیحۃ والی حدیث سے ارکان جماعت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور کیا صرف امیر جماعت، امیر صوبہ، نائب امرا اور ارکان ہی کا استحقاق ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کریں۔ حدیث کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر نصیحت امرا، قائدین اور سربراہوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے جب بھی کسی رکن یا ذمہ دار کی کوئی کمزوری علم میں آئے، نصیحت، ہمدردی، خیرخواہی اور اصلاح کے جذبے کے ساتھ فرد متعلق کو متوجہ کرنا سنت نبویؐ کی رو سے دین ہے اور فریضہ ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ دعوت دین اور اقامت دین میں ہر کام باعث اجر ہے۔ ایک فرد کا اللہ کے دین کی اقامت کے لیے سیاسی مظاہرہ میں حصہ لینا ہو یا قیام اللیل کے دوران تلاوت قرآن، درس حدیث اور نوافل کا اہتمام یا بعض اوقات قیام اللیل میں شرکت کی خواہش کے باوجود ضعیف ماں یا علیل باپ یا بیوی کی تیمارداری کرنے کی بنا پر ایسے پروگرام میں شرکت نہ کر سکنا، ان میں سے ہر ایک کا اجر نصوص سے

© rasailojaraid.com

ثابت ہے۔ اس لیے اگر ایک شوہر یا باپ کسی معقول وجہ کی بنا پر اپنی بیوی یا بیٹی کو مظاہرے میں جانے سے روکے تو مظاہرہ میں شرکت کی نیت کا اجر تو بہرصورت ملے گا ہی۔ ساتھ ہی کوشش کی جائے کہ شوہر یا باپ کو نرمی و محبت سے اس کام کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔ دین کی دعوت صبر اور ثبات کے ساتھ کام کرتے رہنے کا نام ہے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ ہر خواہش اور ہر فریضہ ایک ہی فرد پورا کرے۔ جتنا بوجھ ایک نفس اٹھا سکتا ہے اور جس کام کو بحسن و خوبی کر سکتا ہے' اسی کے لیے وہ جواب دہی اور اجر کا مستحق ہے۔

جہاں تک سوال کسی فرد کی نیت اور اس کے دل کے حال کا ہے' کسی کے اخلاص کا فیصلہ کرنے کے لیے اس کے دل کے اندر جھانک کر بچشم خود مشاہدہ ضروری ہے اور میری معلومات کی حد تک ہم میں سے اکثر افراد یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لیے کسی انسانی کمزوری کی بنا پر generalization یا ایک عمومی رائے قائم کر لینا کہ ایک فرد سے غلطی ہوئی ہے تو سب افراد ہی ایسے ہوں گے' کے بجائے مثبت طور پر مشورہ' نصیحت اور اصلاح کے رویے کو اختیار کرنا دینی حکمت سے زیادہ قریب ہوگا (ا-ا)۔